# MASNAWIYYAT-I-MIR, BA KHATT-I-MIR

(Reproduced from the original handwriting of the four poems of Mir.)

WITH A FOREWORD

*By*

MAULANA ABUL KALAM AZAD

---

*BY*

Dr. RAM BABU SAKSENA

D. Litt. (honoris causa.)

MEMBER, SAHITYA AKADEMI, INDIA

---

*Published by*

DHOOMI MAL DHARAM DAS

CHAORI BAZAR, DELHI.

1956

First Edition 1000
Price Rs. 15/-

PRINTED AT THE
RAMA PRINTING WORKS
DELHI.

# "MASNAWIYYAT-I-MIR, BA KHATT-I-MIR".

(1213 A.H.)

1799 A.D.

---

This manuscript is unique. There was no vestige of any extant hand writing of Mir, the greatest Urdu *ghazal* writer. The four poems are in the original hand-writing of Mir, as proved by the internal evidence furnished by the colophone in more than one place, the texture and condition of the paper, the ink used and the style of penmanship. The masnavi "*Jang Namah*" (composed in 1209 A.H.) describing the battle of Rohillas and Nawab Asafuddaulah is not found in the current *kuliyats* of Mir. It was first published from a copy of the ***masnawi*** in this manuscript. It is hoped that this publication would commend itself to lovers of Urdu literature generally, and admirers of Mir, particularly.

I am grateful to Maulana Abul Kalam Azad for contributing a Foreword. Professor Masud Hasan Rizavi, of Lucknow, has been of assistance to me in preparing the manuscript for the Press and my thanks are due to him.

Popes Villa,
Nainital, U.P.
1955.

Ram Babu Saksena.

# TABLE OF CONTENTS

PORTRAIT OF THE POET—"MIR"

شعر زورِ طبع سے کہتا ہوں چار
دزدی بزگری نہیں اپنا شعار

دزد ہے شایستہ خوں ریزی کا یہاں
بلکہ بابت ہے بڑا آویزی کا یہاں

میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر کہہ
اپنے ہاں گویا بڑا اخفش ہے یہ

بکروں کی ڈاڑھی کے تئیں جانے ہیں سب
تکّہ ریشی بکری کی ہے بوالعجب

رنگ سر سے پانو تک اس کا سیاہ
چلتی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ

چار پستان اُس کے آئے دید میں
دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید میں

چاریتھ زاو یاوانس درمعنی
دوہچھن زو تھ نیچی دودی چھو معنی

ونکہ راج باوتھ نال اوسکھ بیماہ
چلکھ راج جسم کیو اگر نکاہ

بار وتھ تا دعا نالکی جانی ہنی لب
تکہ دریح مکر سکہ بوا نجب

میں زہ پاتھ ونتھ زون نادو ستہ الکی
دیتھ نادن گویا ہزا حفظ کی تیا

دزو رشہ نادر یتھ تہ زن زان کاچھان
بلکہ بابتھ تہ ہزار زون کاچھان

شروز ورغم نیمہ کاگوان چھکھ
دزو زیتہ بیر نہسی بنا نتھ

آفریں صنّاع کو آفریں
کیا لگایا باغ آ کر کاغذیں

ماہتابی ایک طرف سے جو دغی
چاند سا نکلا ہوئے حیراں سبھی

ہر دو جانب چمن کے گئے ناری انار
گل فشانی سے اونہوں کی تھی بہار

دیکھی جاتی تھی چراغاں آب میں
شعلے تھے لہروں کے پیچ و تاب میں

اس روش سے تھے ستارے چھوٹتے
ناگہاں جوں ہوویں تارے ٹوٹتے

کچھ چھوٹے ایک روش سے جھاڑ
دو طرف جس دھوم سے جھڑتی ہو باڑ

داغیاں تو ہیں ہوائی ایک بار
پھیلے تارے آسماں میں بے شمار

عرصہ گل ریزی سے گلشن ہو گیا
چرخ ان تاروں سے روشن ہو گیا

نذر کو نواب کی اہل فرنگ
لے کے آتش بازی آئے رنگ رنگ

دیکھیاں کیا کیا نہ شعلہ خیزیاں
چھٹیں ہوائیں سے ستارہ ریزیاں

متصل توپیں ستاروں کی دغیں
لوگوں کی آنکھیں فلک سے جا لگیں

گل کرم کر پھول گل ہی کر دئے
رنگ تانے کاغذوں میں بھر دئے

بالیدگی سے پہنچے گل آدمی کے سر تک
ہو وہاں تو رنگ ٹپکے جیب اور آستیں سے

لالہ کنارِ دریا نکلے ہے کب زمیں سے
اٹھتی نہیں ہیں آنکھیں دیکھو ادھر کہیں سے

کہہ غزل اب میر رنگیں تر کوئی
سن کے ہو محظوظ جس کو ہر کوئی

رحمت اے آتش زباں کیا لاگ ہے
تو بساطِ آب دریا آگ ہے

کیا ہی آتش دستیاں دے کر گئے
شعلوں سے پانی کی لہریں بھر گئے

کیا ہوائی باد میں لہرا گئی
تانے سایانوں کے سے من پھیلا گئی

کہتے ہیں جو غم نداری بز بخر
... میں ایک بکری ڈھونڈ کر

جب میر جان دینا بوسہ کے بدلے ٹھہرا
تب خوف کیا بتوں کی پیشانیوں کی چیں سے

یکسو کلاں منہ پر خوباں کے مل رہے ہیں
الجھے ہیں مت یکسو گیسوئے نازنیں سے

صندل بھری جبیں سے کیا صبح چہرہ ہوئے
اس قطعۂ چمن کے محبوب شب نشیں سے

موہنہ پہ عبیر عاشق اصرار سے ملے ہیں
لب ہاتھ کھینچتے ہیں معشوق کی نہیں سے

خوش رنگ ہے ہر گل رخسار سے پری کے
صد برگ وہاں طرف ہے خورشید کی جبیں سے

[illegible]

از فقیر تقی میر

ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر
رنگ صحبت سے عجب ہیں خورد و پیر

زعفرانی رنگ سے رنگیں لباس
عطرمالی سے سبھوں میں گل کی باس

وہ چراغاں گرچہ تھی درگاہ تک
تھے تماشائی گدا و شاہ تک

ایک عالم دیکھتا تھا دور سے
رات دن تھی روشنی کے نور سے

کیسی کیسی دیکھیں شکلیں تازیاں
سحر کرتے تھے کہ صورت بازیاں

جشن نوروزی اہل ہند سب
ہے یہی تب جو عشرت ہے بپا اب

رنگ افشانی سے پڑتی تھی پھوار
رنگ باراں تھا مگر ابر بہار

راہ میں تر پوئے مینار تھے
روشنی کے کوچہ و بازار تھے

کوچہ و بازار بام و در سے
روشنی کے دونوں سے گھر بنے

ان دیوں کے عکس سے دریا کا آب
آئینہ کی سطح کی رکھتا تھا تاب

شیشہ شیشہ رنگ صرف دوستاں
صحن دولت خانہ رشک بوستاں

مرغ گلشن گل رخوں کو جان پھول
بیٹھے تھے پاس آکر پھول پھول

کم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا
اس روشنی کی دھوم کا اودھم تھا

سوانگ کیا کیا بن کے آئے درمیاں
پیکھنہ کا سوانگ تھا سارا جہاں

کشتیوں میں جو دیئے بھر کر چلے
پانی میں شعلوں کے ریلے ہی چلے

اس چمن سے باغ ہر گل سرخ و زرد
نکہت گل جھاڑیں گے وہاں آکے گرد

قمقمے جو مارتے تھے کر گلال
جیسے لگتا آن کر پھر منہ سے لال

اب تو ہفت اقلیم کا عالم ہے یہاں
دیکھو تو ہر جنس کا آدم ہے یہاں

آئے کس کس رنگ سے دامن سوا
باولے رنگوں جنوں کا تھا گذار

منعکس تھی جو چراغاں تا فلک
آب کی وسعت تھی پر انجم فلک

پھول گل آویں نظر دیکھو جدھر
لالۂ صد برگ سب باغ نظر

برگ گل ملواں اڑاتے تھے عبیر
تھی ہوا میں گرد تا چرخ اثیر

ٹٹیاں دریا کے باندھی دو طرف
کیا چراغاں آسماں کے ہو طرف

ہاتھی آئے کوہ پیکر کیا بنے
جیسے مدماتے جواں ہوں ان منے

کیا ہوائی چھوٹنے کا ہے بیاں
ذو ذنب جیسے ستارے ہوں عیاں

دستہ دستہ رنگ میں بھیگے جواں
جیسے گل دستے تھے جوئوں پر رواں

روشن الدولہ نے کی تھی روشنی
کب ہوئی تھی لیکن ایسی روشنی

تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ
وہاں تلک تھا اس چراغاں کا دکھاؤ

جا ہی جو ہی چھوڑنا ہے یاد بو
روشنان ذو ذوانب تھے نمود

ازفیض

ہوئی کیلا اصف الدولہ وزیر
زنبیلی صحبت سے بخشش نا خوب و دوبیر
زعفرانی رنگ سے رنگین لباس
عطر مالی سے ہو مہکی کا یہ باس
وہ چراغاں کہ جس سے تا درگاہ تک
[illegible] کر اور شاہ تک
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے
رات دن تھی [illegible] نور سے
[illegible] رنگین شعلہ [illegible] بازیاں
سحر [illegible] صورت بازیاں

جشن نوروزی اہل منصب [illegible]
[illegible] رنگ سے [illegible] بہار
رنگ باران تھا مگر ابر بہار
راہ [illegible] سینہ رہتی
دو شنبہ کا کوچہ و بازار رہتی
کوچہ و بازار و بام و در میں
[illegible] وہ نور [illegible]
ادن دریا کا عکس [illegible] دریا کا آب
آئینہ کی سطح [illegible] رکھتا تھا آب

[illegible] صرف [illegible] گلستان
صحن دولتخانہ رشک بوستان
سرخ گلشن گل [illegible] کو جان بہول
[illegible] اگر بہول بہول
کرم [illegible]
[illegible] کا ادوم [illegible]
[illegible] سوار
[illegible] غنی جو [illegible]

اوس چمن [illegible] ورنہ
[illegible] چھٹی کو
[illegible] گلال
[illegible] ابو نعت اقلیم کا عالم [illegible]
[illegible] کا ادوم ہر جہاں
[illegible] آئی گرمی [illegible]
[illegible] منغلی [illegible] چراغاں [illegible] فلک
آپ کے [illegible] انجم فلک

ہاں چمن [illegible] نظر [illegible]
[illegible] باغ نظر
[illegible] اور [illegible]
[illegible] تاج [illegible]
[illegible] دریا کے بانده دو طرف
دیکھو [illegible] ہر طرف
کیا چراغاں آسمان نے ہر طرف
[illegible] کوہ [illegible] کیا بنے
[illegible] جوان ہوں [illegible]
کیا [illegible] چہو [illegible] بیان
دو دو [illegible] ستارے [illegible]

[illegible] جوان روشن الدولہ [illegible] روشنی
[illegible] کا ہاد [illegible]
[illegible] برروان کب [illegible] روشنی
[illegible] چراغاں [illegible] روشنان دو دو [illegible]

جمع تھے لوگ سو پریشاں ہیں
رہ گئے ہیں سو عجز کیشاں ہیں
جنگ نے صبح کے تئیں تا بہ شام
آشتی کے ہیں اب پیام و سلام
غالباً صلح آج کل ہووے
ہر طرف جنگلی خلل ہووے
لے کے اب ملک و مال سب نواب
قصد رکھتے ہیں لکھنؤ کا شتاب
سال تاریخ کا تھا مجھ کو خیال
لطف کے رو سے (۳۰) کی ملک نے مقال
کائے سخن گستر و جہاں اُستاد
فتح نواب سے کر اب دل شاد
۱۱۷۹
۳۰
۱۲۰۹ ہجری

میر کوئی غزل کہو اب تم
لذّتِ شعر میں رہو خود گم

غزل

رنج کے اُس کے جو خبر گزرے
رفتہ وارفتہ اُس کا مر گزرے
ایک پل بھی نہ اُس سے آنسو چھپے
روتے مجھ کو پہر پہر گزرے

جوئے خوں آنکھوں سے بہے شاید
خون میرے سے وہ بھی در گزرے
مارے غیروں کو یا مرے عاشق
کچھ نہ کچھ چاہیئے کہ کر گزرے
راہِ جاناں سے ہے گزر مشکل
جان ہی سے کوئی مگر گزرے
غنچہ ہو شرم سے اُن آنکھوں کے
گل نرگس اگر نظر گزرے
سر کا جانا ہی ہر قدم ہے میر
کیا کوئی اس کی راہ پر گزرے
ایضاً در دریا باد در
سرائے الماس علی خاں تمام
گردید

بیچ عاشق تو در سو بریان نہیں
کہ جو سینے کہتی ہیں سو عجز کیش نہیں
جنگ نہیں صبح کہتی ہے شور خیز
آتش نے سسکا بھی اب پیالہ ہم سلطان
غالبا صلح آج کل ہو رہی
ہاں لطف حملہ صفائی ہو رہی
یکایک ملک و ملی سیراب
مقصود کہتے ہیں انکھوں کا شب
سال تاریخ کا ہتا مجھکو خیال
لطف کاروبے کا ملک نغاہ ال
کار بخشی کر وصلح استقلال
فتح نواب کا

جب کو کا غزل لکھوا ۳ غزل ریختہ او ریکھ جو خبر گزری
لذت شوق ملی رہو خود و کم رفتہ و رفتہ او الکلام گزری
ایک پل ہی نہ اوس انکو بیکھی
رو رو مجھکو بہر بار کذری

جو اُن خون نے ان انکھوں نے کیا ہے بس ۲
خون نے عمر و دوہی و رکھو ر
عاری عشرت کو یاد عاشق
یکھ یہ ناپکھیہ چابک ۷ کر گذر
راہ جانا لے پیچ گذر جنگل
جان ہے سے کوئی عمر گذری
غنچہ سے شرم اب اون انکھوں کی
کل نرگس اک نظر گذری
کا جانا ہے قدم
کری او یکہ راہ کور
عاشقان کا عالم

جنگ مغلوبہ تھی کچھ باہم
مرتے تھے دونواد کے رُستم

صاحب انگریز کے گرے اکثر
تھک گئے لڑتے مرتے ہمدیگر

نے کے ایک باڑھ پہلو سے ماری
صف اُلٹ دی حریف کی ساری

لشکری سب مراں سمیت اڑے
سر جو کچھ ہوئے تھے کھیت رہے

لاش پر لاش گر کے ڈھیر ہوئے
بھوکے مرنے کی جی سے سیر ہوئے

پیچھے سردار تھا پٹھانوں کا
دیکھا جانا جو اُن نے جانوں کا

خواب غفلت سے چونک اُٹھا جا کا
دست پاچہ ہوا گیا بھاگا

مارے بھاگوں کو فوج نے لوٹا
مرکیوں میں سے بھی نہ اک چھوٹا

غارت از بس کہ لشکری لائے
کشتوں سے اشرفی روپے پائے

وہ جو بھاگا کا تھا معرکے سے رئیس
بھاگا یوں جیسے پیش اسپ بئیس

ہوتے ہیں جو دیسے ظلم شعار
لُٹ کے جاتے تھے شہر راہ گزار

رام پور میں بھی آ کے رہ نہ سکا
وہ خفا گیر بات کہہ نہ سکا

گیا وہاں سے بھی لے کے کچھ اسباب
کر لکا آیا لشکر نواب

تھا پہاڑوں کے آگے جنگل بھی
وہیں ناکے پہ تھا یہ دنگل بھی

وہاں رو بیٹھے ہوئے اکٹھے سب
بعد دو چار پنج روز و شب

عجز کی راہ سے کیا پیغام
ہم ہیں نواب کے کمینہ غلام

بندہ رہتے ہیں باوجود خطا
تم سے صاحب امیدوار عطا

لطف کریئے امیدواروں پر
رحم کریئے گنہگاروں پر

ہم غلامی میں ہوتے ہیں حاضر
اب نہ خدمت سے ہوویں گے قاصر

کسو صاحب کو جو حضور سے حکم
موجب طور وہیے ووے حکم

کہ مجھے اپنے نیمان سے جاؤ
یا لو کتنے کے عاجز آب آؤ

ذات نواب سے کرم سیرت
کہا صاحب کو تم بصد عزت

معرفت اپنی جا کے لاؤ اسے
پاس خیمہ میں لا بٹھاؤ اسے

یا کہ خیمہ جدا کرو اُستاد
ہم اُسے وقت پر کریں گے یاد

لایا صاحب چنانچہ خود جا کر
پاسی کرتا ہے تا نفر جا کر

سر میں اُس کے خیال باطل تھا
آپ بھی وہ جوان جاہل تھا

گفتگو میں کجی لگا کرنے
ہوا موجود مارنے مرنے

چاہتا تھا کہ آپ کو مارے
بارے ہتھیار چھین لئے سارے

رفقا کے تئیں نکال دیا
رکھ کر ٹہلوؤں کو ٹال دیا

اُٹھ گئے جو حرام زادے تھے
ہو چکے دل میں جو ارادے تھے

عاقبت اس کو باندھ کر بھیجا
کہا پلٹن سے لکھنؤ لے جا

جنگ معنویہ تھی کتنی باہم
مرہا تھی دو نو اور سار رستم
خواب غفلت سے چونک وہ جاگا
دست پا جسم سو گیا تھا کا
کیا وہاں سے پھر نکلنا ہا لباب
کر نکالا آیا پر کر ہواب

جلد بر نہا ہم (آرام)
ہنگ کر کے ہزار گرانی تھی بیگار
مارا پہاڑ کوں کو فتح نا ہوتا
پر گویوں سے بہت ایک چھوٹا
تھا پہاڑوں کے اکی جنگل

سنا کہ ایک بارہ پہلو سے مار
صف ابتدائی دی جو نو کا مار
عمارت از پس کہ شکر لائے
گشتوں نے از شہزادہ پا بلائی

شر اب سے ان ہمت رہے
سر جو چکو سو نیچے لیکت رہے
وہ جو پیا کا تھا عوض کے لیے آسی
تھا کما ہو جسے بنیں ابنسی

لائی پر ہدی آنکہ دو سر پہوا
ہو کر جی کا نسیم ہوا
ہو تا ہنی جور وستا ظلم شعار
سر کھینچ جاتی تھی سر راہ گزار

رام بو ہنی ہر اکی راہ نکالا
وہ خدا کے بات گیر نکالا

پیچھے دکھا کر سوار اپنا جلوہ دکھا
دیکھا صاحب جو اور دن جاتا

ہم غلام ہیں تو ہی ہیں خام
اس خدمت سے ہو پیارا نام
داتا صاحب صاحب نے خوب جاکر
ہاں کر کام تو خود جاکر

وہیں نا کہاں سے یہ نکل ہی
کو صاحب کو سو حضور سے حکم
موجب طور دو وہ سے حکم
رہتی اور سے جیسے باطل تھا
آپ ہی وہ جو ان جاہل تھا

وہاں دو پیارے ہوں الہی طلب
بعد دو چار جو روز و شب
کر عجب اپنے بہانہ لیجاوی
ہاتھ کھینچ کا جا را ادی
گفتگو میں بھی نکالا ہے
ہو جو دو چار ہی

عجز کی راہ سے کیا پیغام
ہم ہیں نواب کے کمترین غلام
ذات نواب کرم سے بیسرت
کیا صاحب کو ہم سے بعد عزت
چاہتا تھا کہ آپ کو ماری
بار کہ تھا جہی کہ ماری

منہ وہ ہاتھ ہیں با وجود عطا
تھے صاحب امید وار عطا
معرفت اپنے جا کی لا اے
پائی کچھ میں لاہٹا وا اے
وفا تھی نکال دیا
بجز آپ کے ہلو و ٹوٹا دیا

لطف کرتے امید واروں پر
رحم کرتا گناہ کاروں پر
یاد کر حسن جدا کر دار استاد
نام اوسے و فتنہ ہر کر نکالا
اور جو کہ جو حرام زادی تھی
ہو چکا دل میں جو ارادی تھی

لما علی با علی
پیر علی صاحب ابتدا

جنگ نامہ

وسعتِ ماتمیت کا کسی کو جگر
کہ حیران سب رہ گئے دیکھ کر

گئی اُس طرف بے جدھر تھی چلی
نظر کرتے تھے واقعہ یہ سبھی

اسی طرز و انداز و خوبی کے ساتھ
اٹھایا اُسے ہاتھ میں لے کے ہاتھ

وہی صورت اُس کی ہے جلوہ نما
وہی رنگِ رُو گل کا غیرت فزا

خراماں چماں آتی ہے وہ پری
وہی ناز و عشوہ وہی دلبری

گیا منتظر اس کو وہ دن تمام
نظر کرکے کب دیکھتا ہے کہ شام

غرض ایک سے عشق بے خوف و باک
کہ دونوں معشوق و عاشق ہلاک

بہم مر گئے تمام شد و نزول و در یار
روز و شب تشنہ کے بعد از دو دم

بہت خاک جل جل کے یہاں ہو گئے
یہ عشق میں جی بہت کھو گئے

فسانے نہیں اس کے ہزار ہا ہزار
یہی کشت و خون کا ہے سرگرم کار

مقولہ شاعر
کہ میر اب عشق کی گفتگو
قلم اور کاغذ کو رکھ دے کبھی تو

ہوئے تھے بہت لوگ گرم سُراغ
کہتوں نے نہ پایا نشاں غیر داغ

ہوئے جاتے جاتے نظر سے نہاں
گیا عشق کیا جانے کہ کہاں

جنگ نامہ

گرے کاٹ کے سر جدا ہو گیا تھا
دو دو مردم گیا سے ہو گیا تھا

یعنی تخریب ایک آن میں ہے
رو کشی اُن کی کسر شان میں ہے

تھے تلنگے رسالے گرم جنگ
لوتھوں سے ہو گیا تھا عرصہ تنگ

پر نہ سمجھے وزیر کو وہ وقار
ہے تحمل سے رہ بیں دیر گزار

تھا تہوّر نہ پر شجاعت تھی
ساعتِ جنگ تا قیامت تھی

جمع افغاں پسر تھے اُس جا گہہ
لیک سارے تھے جنگ نا آگہہ

بچے تلواروں ہی فرنگی سے
مر کے مارے بہت کڑھنگی سے

آگے آتا تھا بہر سیر و شکار
بازی یکسر رہے تھے اس بار

دیکھ کر لوگ تھوڑے ٹوٹ پڑے
پکے پھوڑے کے رنگ پھوٹ پڑے

اب کے نواب رام پور آیا
ناگہاں اس طرف خدا لایا

بے تہی سے وہ پیش جنگی کر
دانتے دے گرے ہراول پر

دیو کا بھی نہ ٹھہرے پا اُس جا
تھا انھوں کا جہاں ثباتِ پا

سہل سردار سمجھا یہ مرنا
اللہ اللہ ترا جگر کرنا

توپ پر آن کر چلی تلوار
جھیل کر زخم ٹڑموا سردار

صاحب ایک اور اُس کی جا آیا
جن نے ایسی بلا کو چُنوایا

اب سے نواب رام پور آیا

جب ایک ایدر او سکے جا آیا

جنے الہی بلد کو جیتوا لیا

توپ پران کر چلے تلوار

چہل زخم زخم سے ہوا سرشار

مجہت وزیر کوہ وقار

سہیل سردار سمجھا یہ مرنا

اللہ اللہ تیرا حکم کرنا

ہتا اونہون کا جہان ثبات با

ہوا ناگہاں شوہر زن مریض
نہایت ہوئی تپ طویل و عریض

نشستہ ہوا تپ کا دل کے تپش
کبھی رفتہ رفتہ دق و سل کے تپش

تراری سے تن ہو گیا زار تر
ہوا خشک ہو کر وہ بیمار تر

بدن کاہ سا زرد رنگ کاہی ہوا
بہت حال اس کا تباہی ہوا

دموں پر بھی وہ رفتنی کم رہا
ٹھہر کر گئے دم ہوا ہو گیا

فنا یعنی طاری ہوئی ہو چکا
اسے وارد و سم تہمت رہو چکا

جلانے کی تیاری کرنے چلے
چلی زن بھی تا ساتھ اس کے جلے

کبھی دعوی سوختن میں زباں
کیا پاس ظاہر سے نقصان جاں

رسیدن بہر سوختن زن بان عاشق و گرفتار و برآمدن آن نیم سوختہ از دست الفار

لگی جلنے چھوڑا نہ اسرار کو
خبر پہنچی اس کو گرفتار کو

اٹھا واں سے بیتاب آیا چلا
اسے دیکھ جلنے بہت جی جلا

جھکا آگ کی اور کر اضطراب
کہ جی میں نہ طاقت تھی مطلق نہ تاب

کہا ہم کو کیا کہتی ہو اس گھڑی
نظر اس کی جلنے تو اس پر پڑی

کہا آئے ہو تو چلے او تم
تماشا کی کرو جو ہمیں یاد تم

یہ بیتاب تھا آگ پر جھڑ پڑا
پتنگا تھا اس شعلہ پر گر پڑا

لگے آنے جب تھے کہتے انکار ساتھ
وہیں کھینچ لائے اسے ہاتھوں ہاتھ

چلے ادھر جلانے کے سبب اس کو گھر
ہوا گرم ہنگامہ ایک اور ادھر

کیا لوگوں نے اس کے سر پر ہجوم
ہوئی شہر میں شور محشر کی دھوم

قدم کتنے چل کر وہ آتش بجاں
ہوا یوں سخن زن کہ اے دوستاں

تعب کش ہوں میں آتش تیز کا
اسے قصد تھا میرے خونریز کا

لے آئے مجھے گرمی غم سے نکال
کیا گھر بھی سے چلنے کا اب خیال

نہیں متصل راہ چلنے کی تاب
کہ ہوں نیم سوز آگ کا میں کباب

کہیں مجھ کو سایہ میں ٹھہرایئے
جو دم ٹھہرے تو آگے لے جایئے

کوئی دم مرا کیجئے انتظار
کہ گرمی سے ہوں تیرہ و بیقرار

توقف کیا سب نے زیر درخت
کہا واقعی رنج کھینچا ہے سخت

نہ جانا کہ ہے مانع راہ عشق
رکھے ہے عجب جذب جانکاہ عشق

نہ آتش نہ گرمی نہ بے طاقتی
بہانے ہیں سب جذب ہے الفتی

عجب تر نظر آتے ہیں کار عشق
نہیں سمجھے جاتے ہیں اسرار عشق

اٹھانے کو کہتے تو کہلاتے تھا
دل اس کا ادھر ہی چلا جاتے تھا

اگر اس نے آنکھیں کھولیں تو ادھر نظر
ہوئی خاک معشوق جل کر جدھر

جھکا آتی ہے نیکا اور اضطراب
کہ جی میں نہ طاقت ہے نہ تحمل نہ تاب

کیا تو کون نہ اور سمجھ
ہو گا میں نہ تو ... ہو

کہ ... میرا ... انتظار
اگر ... تو ... ہو

او بیٹھا وہاں بیتاب آیا چلا
او ... جلتے بہت جی جلا

کہ وہ جلا ... اور ...
... ایک اور ...

کبھی ... ہے نہ
... تو آگی ... کیجائے

خبر بیخ اور ... رکھو
نہ جلتے جھوڑ ... اور کو

وہیں ... اور ...
... انتظار

انہی خصلت ... جلنے نہ باب
... ہم نہ جانکی ... کیا

عجب ... نہ تھا
انہی ... جانی ہی ...

کہا ... زن ... عشق
... تو ... نہ ...

کیا ہم ... بیٹھا ... بھی
... ستم ... نکال

... پھیلنے کا ... نہ
... ہونا ... کیا

بڑی ہے جو ہونٹ تو جی میں زبان
کیا ہائی نظر ... نقصان جان

کیا آگی ... تو جلی ...
... ہو عشق ...

بعد ... آتش ... کا
... قصہ ... جا ... کا

جلانے کی بیتاب ... بیج
جلی زن ... تاب ... جی

کہا ہم کو کیا ... ہوا ...
... جلتے جو اور ... کی

قدم ... جلکر وہ ... کی
... ہوا ... زن ... ای

تو تعب ... کیا ...
... کیا واقعی ...

کسو کو کسو سے نہ ہو جائے لاگ
کہ ہے تو لگائی ہے سینہ میں آگ

قد آرا نہ ہو فتنہ در سر کوئی
کہ سر پر قیامت رکھے ہر کوئی

دل زار تجھ بن ہے بیکل بہت
نہ جی کو مرے بن ملے کل بہت

گھٹی جاتی ہے جان یوں ہر زماں
تلف جیسے ہر دم ہو آب رواں

نہیں صبر آتا ترے بن ملے
بہوں سے جی تنگ بھر ہیں گے

کسو لالہ رخ کا نہ اُٹھے نقاب
کہ ہوں داغ دونو مہ و آفتاب

صبا اُس سے پہ جیتے ہے کہ ہیٔو
کہ غافل ہی ہم سے نہ ہو جائیو

نہ کریوں کہ افسوس باقی رہے
گل تر پہ چند اوس باقی رہے

نہ پڑتے میرے پانو گر اس کی اور
تو اُٹھتا نہ سر سے جنوں کا یہ شور

ہم اس کو مرتے ہیں تر کے لئے
کیا عشق یا جرم ہم نے کیے

کسو کے مجعد نہ کھل جائیں بال
کہ ہو دل کے عقدوں کی واشد محال

کسو کے نہ ایمائے ابرو پہ جائیں
فریب فریبندگاں تا نہ کھائیں

ترحم کر اب بھی گیا کچھ نہیں
تلطف کہ ہم میں رہا کچھ نہیں

نہ دل کو ہوئی ہوتی پیچیدگی
کہ داغوں کو ہوتی نہ بالیدگی

اسے دیکھنا ہی ہے ارمان بھی
اُدھر ہی چلی جائے ہے جان بھی

کسو کی نہ اچھی لگے کوئی آن
کہ جانِ الم ناک دیجے نداں

کسو کی نہ آنکھوں کو دیکھا کریں
کہ لوگ اُس کا آخر پہ دیکھا کریں

کہیں یوں فراموش ہوتے ہیں یار
ہمارا ترا عشق ہے یادگار

نہ آنکھیں لگی ہوتی ناگاہ کاش
کہ چھاتی کی دل تنگ نہ جاتی تراش

اگر دیکھیں آنکھوں کو تو اُس طرف
وگر موہنہ ہمارا ہے سو اُس طرف

کسو کے نہ انداز پر جا سے جا
صبا ہو دے کیا جانیے کیا سے کیا

نہیں کا نہیں رہتا نام و نشاں
کوئی اُن کو ڈھونڈے تو پھر یہ کہاں

ملاقات کا ہے کچھ کو نہ خیال
رہے کیونکہ جاں دار امید وصال

کسو کا کسو سے نہ لگ جائے دل
کہ کہنا پڑے ہائے دل وائے دل

کسو کے نہ چاہ زنخ پر گریں
مبادا کہ وہاں سے نہ جیتے پھریں

گئے ہم سے پھر مات آتے نہیں
یہ گم گشتہ پھر پائے جاتے نہیں

نہ ہو جاتی اے کاش الفت ہمیں
اٹھانی نہ پڑتی یہ کلفت ہمیں

[illegible]

تناسب بہت اُس کے اعضا سے خوب
سراپا میں دیکھو تو ہر جا سے خوب

خوش اندام و خوش رو و پاکیزہ خو
کسو وقت رہتا نہ تھا بے وضو

جوانی کا ہنگام طاعت کا صرف
لبِ سرخ پہ دلبروں کا نہ حرف

حیا کو سیاہی سے پلکوں کی آہ
نکلتی تھی باہر کماں سے نگاہ

بہت پاک دامن معیشت ہوئی
لطافت نزاہت میں مدت ہوئی

کہ ناگاہ اُس راہ ایک زن گئی
جواں پر فدا جانے کیا بن گئی

جواں کی نظر تیر سی جا پڑی
وہ تیرِ مانی تھا اُس کے اوپر پڑی

یہ دل مستقل ناشکیبا ہوا
دل طرفِ ثانی بھی بے جا ہوا

حیادار تھی زن گئی اپنے گھر
وفادار تھا یہ رہا دیکھ اُدھر

کیا چند شرم و وفا کا پاس
گئے رہنے دونوں گھروں میں اُداس

کئی دن میں ہندو زن آنے لگی
لے پانی اُس راہ جانے لگی

نگاہیں ہوئیں ہم دگر آشنا
محبت کا دونوں نے پانی بھرا

یہی مدتوں دیکھا دیکھی رہی
دلوں کی کسو سے نہ ہرگز کہی

جنوں میں شب و روز مرتے رہے
وے پاس ظاہر کا کرتے رہے

رہے یہ دیر تک دونوں ناکامِ عشق
نہ آیا لبوں پر کبھو نامِ عشق

پہ کیا دخل اظہارِ الفت کریں
یہی بستہ لب مشقِ حیرت کریں

گھروں میں نگاہیں تھیں الفت بھری
در و بام پہ پڑتیں حسرت بھری

بچایا کیے پردہ میں سازِ دل
نہ نکلا کوئی نغمۂ رازِ دل

روانوں میں تو گرم جوشی رہی
دہانوں پہ مہرِ خموشی رہی

کہیں حسرت آگیں نگہ چار اور
لب اُن کے یہ ساکت سخن میں یہ شور

کسو سے نہ حرف و حکایت انھیں
محبت سے شکر و شکایت انھیں

کہیں دردِ دل سو کبھو زیرِ لب
وگرنہ سکوت اُن کو تھا جب تب

شب و روز دونوں تھے صورت مثال
بہم محوِ خوبی و صرفِ خیال

پیے جائیں آنکھیں بھری بہرِ ضبط
کہ جانا نہ جاوے یہ آپس کا ربط

کبھو آہ اُٹھے تو دم سرد ہو
کہیں منکشف تا نہ یہ درد ہو

دلوں میں جو تھی چاہ خوں ہو گئی
گرفتہ رہے سو جنوں ہو گئی

بیاباں کی جانب کھنچے دل بہت
کہ تھا شہر میں کام مشکل بہت

ارادے ہوئے یہ دلوں ہی میں خون
کیا پھر بھی دونوں نے صبر و سکون

صبا سے رہیں دو طرف کے پیام
کہ اے باؤ کہیو یہ بعد از سلام

خیالات ملنے کے جاتے نہیں
قرار و سکوں دل تلک آتے نہیں

شب و روز رہتا ہے یہاں اضطراب
کیا شوق نے کام کو کیا خراب

کوئی طور ملنے کا ایجاد کر
نہ جور و ستم سے ہو تو بیداد کر

پیام ایک کا یہ کہ اے بادِ نرم
کہو اُس سے محبت سے کچھ بھی ہے شرم

تنِ زار بے جان کیوں کر جیے
جگر میں نہ ہو خون تو کیا پیے

[illegible]

لیا کاہ کا کوہ سے کیں کہیں
ملائے کہیں آسماں و زمیں

کہیں پڑ گئے اس سے فتنہ فساد
رہے زیرِ شمشیر حد سے زیاد

یہ عالم کا آشوب ہے دیر سے
میر اور خطر کم ہے اس پیر سے

ہوئے عشق میں زیرکیشاں خراب
رہے دل شکستہ پریشاں خراب

اٹھا عشق کا شور عورت گریں
گئے دشت گردی کو کر ترک دیں

ہوا عشق سے محفل عالم دوبہر
تو اٹھے نگر کے تیغ زبانِ شہر

کیا قتل میں ترک صوم و صلوٰۃ
گئے اہلِ مسجد کو عشق سوء ظن

مسلماں ہوئے عشق میں برہمن
گئے کعبہ کو چھوڑ دینِ کہن

نہ سبحہ نہ زنار نے کفر و دیں
جہاں سب ہے عشق اور کچھ بھی نہیں

محبت کے ساغر کش اہلِ صلاح
یہ بے ہوش دارو ہے اُن کی فلاح

کوئی ہوش میں اپنے رہتا نہیں
ہر ایک چپ ہے کچھ کوئی کہتا نہیں

رباطی ہیں نادر یم عشق میں
مصلح ہوئے اُن کے نہ عشق میں

ہمہ خاندان تقاوت خراب
خرابے سے ہیں بے تفاوت خراب

یہی عشق ہے جس سے حاصل ہے کام
یہی عشق ہے جس سے نکلا ہے نام

اسی عشق سے روسیہ روسپید
رہیں عشق سے نا امیداں امید

یہی عشق ہے عقدۂ دل ہے یہ
یہی عشق حلّالِ مشکل ہے یہ

کہیں اس کو لڑنے سے پایا معاف
کہیں ان نے میدان مارے ہیں صاف

کہیں مومنانہ اسے ورد دیں
کہیں کافرانہ ہوا بے یقیں

غرض عشق ہے طرفہ نیرنگ ساز
کہیں ناز یکسر کہیں ہے نیاز

## شروع قصہ

حکایت ہے عشقی حکایات میں
کہ افغان پسر ایک گجرات میں

جواں خوش برکار پرہیزگار
بہت حسن کا اس کے وہاں اشتہار

یہ صورت یہ طاعت یہ داماں پاک
نہ دامن پہ مانندِ گل گرد و خاک

اگر ہووے حورِ بہشتی دوچار
تو دریائے حسن اس سے ڈھونڈے کنار

وہ گھر آگے سے ہو پری کا گزر
حیا سے نہ اس پر کرے تک نظر

رہے محو پاکیزگی و صلوات
نہ ہو ترک سہواً بھی واجبات

تناسب

مسلمان ہوئے عشق دین میں
کعبہ کو چھوڑ دین اسی

یہی عشق جبی ہے حاصل ہے کام
یہی عشق ہے جبی ہے نکلا ہے نام

حکایت ہے عشق کی حکایات میں

جہان لیک ہے عشق اور کیا ہے

الہی عشق نے رو سیہ رو سپید
رکھی عشق نے نا امیدان امید

جوانی خوشی ہر کار ...
بہت حسن کا ...

محبت کا سب ہے نہی اہل صلاح
یہ بیٹھا ہوں سوکشی دارو ہے او نکی فلاح

ہے عشق ہے عقدہ دل جہاں
یہی عشق ہے مشکل جاہیہ

یہی ہوش میں اپنے رہتا نہیں
کہیں الکو ہیں جیسے پا یا جاف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جمن سے عنایت کے باوام وار
الٰہی زباں دے مجھے مغز وار

صفت عشق کی تا کروں میں بیاں
رہوں عشق ہی کہنے سے تر زباں

عجب عشق ہے مرد کار آمدہ
جہاں دو دو اس کے ہیں برہم زدہ

جہاں جنگ صف کی یہ ظالم لڑا
صف اُلٹی جہاں ایک مارا پڑا

اگر لوگ مارے گئے سر بسر
ہے فتح اُس کی ہے یہ طرفہ تر

کوئی کشتی جو وارث ہو گیا
تو پھر تیغ اُس کی تلف ہو گیا

جہاں جس کسو سے اُسے چاہ ہے
وہیں اُس کے تا قتل ہمراہ ہے

کسو سے اگر ہو گئی لاگ سی
دردن میں اُس کے لگی آگ سی

ہوا ملتفت یہ کسو پر کہیں
تو نام و نشاں اس کا پھر وہاں نہیں

وفاق اُس کا نکلا سراسر نفاق
پڑا عاشقوں کو عجب اتفاق

جواں یہ کیسے کیسے موئے عشق میں
بہت گھر خرابہ ہوئے عشق میں

بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے
بہت خاک مل مونہہ پہ جوگی ہوئے

گئے دشت میں کچھ ملند ہوئے
کچھ ایک شہر میں پھر کے یکسو ہوئے

نہ مرغ چمن ہی ہے نالاں و زار
گئے داغ کہسار سے لالہ سار

کسو کا جگر غم سے خوں ہو گیا
کسو کو ارے سے جنوں ہو گیا

کوئی زار باراں بہت رو چکا
کوئی برق ساجل بجھا ہو چکا

غرض عشق کا ہر طرف شور ہے
نئی روز شہروں میں ایک گور ہے

بہت جان ناکام دے دے گئے
تمنائے دل ساتھ لیتے گئے

بہت اہل اسلام کافر ہوئے
بہت اول عشق آخر ہوئے

بہت جرم الفت پہ مارے گئے
جوا عشق بازی کا ہارے گئے

ہوئے خانداں کیسے کیسے خراب
جواں جوں جوانی گئے کیا شتاب

کیا عشق جس دن سے مرتے رہے
جنوں ہی کا اندیشہ کرتے رہے

کئے عشق نے جی سے مارا نہیں
یہی درد ہے درد چارا نہیں

دوا عشق کی سخت نایاب ہے
سر عاشقاں سنگ کا باب ہے

جو ہو عشق عارض تو پھر یاس ہے
عبث کوئی دن جینے کا پاس ہے

محبت سے ہے رنگ ساز عجیب
فسانے ہیں اس کے عجیب و غریب

کوئی عشق کرنا دھرا تھا دے
گئے میکدے سے بھی صوفی پرے

نہ وہاں مکر دنے بشید طامات ہے
خرابات جانا کرامات ہے

کہیں عشق نے آرزو کش کرے
گئے خوش جو عاشق سو ناخوش کرے

کہیں سہل تر یار مرنے لگے
کہیں لوگ دشوار مرنے لگے

کہیں کام ان ہی کے ہیں عجیب
فسانہ ہوئی بزم عیش و طرب

کہیں بادشاہ اس سے درویش ہیں
کہیں اس سے درویش درویش ہیں

سخن گوئے مقبول شاہ و وزیر

فلک مرتبت میر روشن ضمیر



میر میر محمد تقی

(سخن گوئے مقبول شاہ و وزیر فلک مرتبت میر روشن ضمیر)

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال جو پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس تذکرہ کا مصنف کون ہے؟

مرزا مظہر جان جاناں کے حالات میں لکھا ہے:

"اس نگار خانہ میں صرف انھیں حضرات کے حالات اور تصویریں درج کی گئی ہیں، جن سے میں ذاتی طور پر دوستی کا رابطہ رکھتا ہوں یا کم از کم کبھی اُن سے ملاقات ہو گئی ہے۔ حضرت مرزا صاحب اس دائرہ میں نہیں آتے تھے، لیکن چونکہ میرے بھائی چھتیرمل کے مرقع میں حضرت مرزا صاحب کی شبیہ دیکھی گئی جو انھوں نے بڑی کوشش سے بہم پہنچائی تھی، اسلئے میری طبیعت عقیدت اندیش نے یہ بات گوارا نہ کی کہ اس شبیہ سے یہ نگار خانہ خالی رہے چنانچہ اسے بھی درج کیا جاتا ہے۔"

اس بیان سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اس تذکرہ کا نام غالبًا "نگار خانہ" رکھا گیا تھا، جو ہر طرح سے موزوں ہے۔

۲۔ مصنف کے بھائی چھتیرمل نام کے ایک شخص تھے۔ یہاں بھائی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقیقی بھائی تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رشتہ اور برادری کے بھائی تھے۔ بہر حال بھائی تھے، اور انھوں نے بھی وقت کے شاعروں کا ایک مرقع تیار کرایا تھا، اور مرزا صاحب کی تصویر بڑی کوشش کرکے حاصل کی تھی۔

۳۔ مصنف ہندو ہیں۔ کیونکہ انکے بھائی چھتیرمل تھے۔

پھر دوسری جگہ لالہ کنور سین مضطر کے حالات میں لکھا ہے:

"برادر بجان برابر عزیز کرپا دیال عرف لالہ کنور سین مضطر خلف دیوان دیبی پرشاد قوم کائستھ سکسینہ فقیر سے بہت ربط رکھتے ہیں۔ یہ ربط محض قرابت ہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہم فنی کی وجہ سے ہے۔"

یہ تصریح بہت صاف اور غیر مشتبہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کائستھ سکسینہ تھے کیونکہ صاف لکھتے ہیں کہ لالہ کنور سین قوم کائستھ سکسینہ سے میری قرابت ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تقریبًا کس عہد میں یہ تذکرہ مرتب ہوا ہوگا؟ مصنف نے مرزا مظہر کے حالات لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۱۹۵ھ ہجری میں انھوں نے شہادت پائی، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ اس زمانے کے بعد لکھا گیا ہے اور یہ عہد ایسا ہونا چاہیئے جبکہ مصحفی، حسرت، قتیل اور میر بقید حیات تھے۔ میر صاحب نے بڑی عمر پائی اور ۱۲۲۵ھ ہجری تک زندہ رہے، مگر دوسرے اشخاص اس سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ تذکرہ اٹھارویں صدی کے آخری برسوں یا انیسویں صدی کے اوائل میں مرتب کیا گیا ہو۔

تصویروں کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ فن مصوری کی خوبیوں کے اعتبار سے انکا کیا درجہ ہے؟ کیونکہ جس زمانے میں یہ تصویریں کھنچوائی گئی ہیں، وہ ہندوستانی فن مصوری کے غایت درجہ تنزل کا زمانہ تھا، اور اعلےٰ درجہ کے مصور ناپید ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں کاغذ کی مصوری ہمایوں کے آخری عہد میں شروع ہوئی، جہانگیر کے عہد میں عروج و کمال تک پہنچی، اور شاہجہاں کے عہد میں ختم ہو گئی۔ اسکے بعد جو مصوری رہی تھی، وہ فن کی مصوری نہ تھی، بازار کی مصوری تھی، اور ایسے ہی بازاری مصور لکھنؤ میں بھی تھے۔ بہر حال فن کے لحاظ سے یہ تصویریں جیسی کچھ بھی ہوں، لیکن نوعیت کے اعتبار سے خام کار مصوروں کی کھینچی ہوئی نہیں ہیں۔ پختہ قلم کی ہیں یعنے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منجھے ہوئے ہاتھ سے نکلی ہیں۔

میر صاحب تصویر میں بوڑھے دکھائی نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چالیس پچاس برس کی عمر ہوگی۔ ڈاڑھی چڑھی ہوئی ہے، اور یہ اُس عہد کی عام وضع تھی۔ علما و مشائخ کے علاوہ بہت کم لوگ نیچی ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔ لباس وہی ہے جو آصف الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ کا تھا۔ نیچی چولی کا انگرکھا اور دو پلی ٹوپی۔

مولوی محمد حسین آزاد نے آبحیات میں میر صاحب کے ورودِ لکھنؤ کی ایک کہانی لکھی ہے جس میں اُنھیں وہی لباس پہنا دیا ہے جو میر انشا نے دریائے لطافت میں میر غفر غینی کے لیے تجویز کیا تھا۔ یعنے بڑے گھیر کا جامہ، پورے ایک تھان کا کمر بند، اور کھڑکی دار پگڑی سر پر۔ انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے کہ اس کہانی کا اخذ کیا ہے؛ بظاہر یہ کہانی بھی اُنکے ذہن و تخیل کی ویسی ہی نقش آرائی ہے جیسی نقش آرائیاں انھوں نے جا بجا شاعروں کے حالات بیان کرتے ہوئے کی ہیں۔ میر صاحب نے اپنے قطعہ میں کہا تھا:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

اس شعر کو سامنے رکھکر انھوں نے ایک کہانی تیار کرلی کہ میر صاحب کی وضع قطع ایسی تھی جسے دیکھکر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی تھی، حالانکہ شعر میں جو کہا گیا ہے کہ "ہنس ہنس پکار کے" تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ واقعی ہنس رہے تھے۔ محض اپنی اجنبیت کی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے شاعرانہ طریقہ پر ایک بات کہدی ہے بہر حال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کہانی اصلیت پر مبنی ہے یا محض ظن و گمان کی پیداوار ہے۔ اگر یہ واقعی کوئی اصلیت رکھتی ہو، تو پھر میر صاحب کی اس تصویر کو دیکھنے کے بعد ہم یہی خیال کر سکتے ہیں کہ جب وہ لکھنؤ آئے تھے تو قدیم وضع کے لباس میں تھے مگر قیام کے بعد انھوں نے وہی وضع اختیار کرلی تھی جو تصویر میں نظر آ رہی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہندوستان کے اکابر مشائخ طریقت میں تھے، اور اس درجے کے آدمی تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اُنکے علم و بصیرت کے بلند مقام کا اعتراف کیا تھا۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ کہ میری نظر صرف ہندوستان کے اندر ہی محدود نہیں ہے بلکہ بلاد عرب و حجاز کی بھی خبر رکھتا ہوں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ آج اس درجہ کی شخصیت ناپید ہے۔ شاہ صاحب کا یہ اعتراف دراصل اس حقیقت پر مبنی تھا کہ شاہ صاحب کی طرح مرزا صاحب بھی تقلید شخصی کی بندشوں سے آزاد ہو چکے تھے اور فکر و نظر کا مجتہدانہ ذوق رکھتے تھے —— مرزا صاحب کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ شاعروں کی صف میں انھیں جگہ دی جاتی۔ لیکن انکے ذوق کی جامعیت نے انھیں اس میدان میں بھی سربلند کر دیا۔ وہ فارسی کے کہنہ مشق شاعر اور اردو شاعری کے مسلّمہ مصلح تھے۔ ہمیں انکی شاعری کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اسی کی بدولت ایک شاعر نے انکی تصویر بہم پہنچائی اور آج اس نگار خانہ میں ہم اُسے دیکھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کو میر صاحب کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی خود اُنہی کے قلم کی لکھی ہوئی بھی مل گئی ہے اسے بھی وہ شائع کر رہے ہیں۔

# پیش لفظ

## از قلم: حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

## مُرقعِ شعرا (نگارخانۂ شعرائے اردو)

## و مصنوعاتِ میر بخط میر

فارسی شاعری کے قدر دانوں نے ایران اور ہندوستان میں ایسے تذکرے اور مرقع تیار کرائے تھے جن میں ہر شاعر کے حالات اور کلام کے ساتھ اسکی تصویر بھی کھنچوا کر شامل کی گئی تھی۔ شاہ عباس صفوی کے عہد کے مشہور مصور رضا عباسی کے حالات میں لکھا ہے کہ اُس نے اپنے عہد کے بڑے بڑے شاعروں کی تصویریں کھینچ کر ایک مرقع میں جمع کی تھیں۔ رضا عباسی کی بنائی ہوئی تصویریں بڑی تعداد میں یورپ کے قدر دانوں کو مل چکی ہیں۔ پیرس اسکی تصویروں کی نمائش اور خرید و فروخت کا مشہور بازار تھا۔ جو تصویریں لوگوں کو ملی ہیں، ان میں کئی تصویریں ایسی ہیں جنکی نسبت قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاید شعرا کی ہوں۔ مسٹر ایف۔ آر۔ مارٹن نے ایران، ہندوستان، اور ترکی کی قدیم تصویروں کا جو ضخیم مجموعہ تین جلدوں میں شائع کیا ہے، اس میں رضا عباسی کی یہ تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شاہجہاں کے عہد کا ایک صاحبِ علم امیر ظفر خاں تھا، جو پہلے کابل کا پھر کشمیر کا گورنر ہوا۔ یہ خود بھی شاعر تھا اور شاعروں کا بہت بڑا مربّی اور قدر دان۔ مرزا صائب جب تک ہندوستان میں رہے، اُسی کے دامنِ دولت سے وابستہ رہے چنانچہ اُسکی مدح میں اُنکے قصائد ہیں!

کلاہ گوشہ بہ خورشید و ماہ می شکنم
بہ این غرور کہ مدحت گرِ ظفر خانم

اسی ظفر خاں کے حالات میں صاحبِ مآثر الامرا نے لکھا ہے کہ اُس نے شعرا کا ایک تذکرہ اس طرح کا تیار کرایا تھا کہ ورق کی ایک جانب شاعر کی تصویر تھی اور دوسری جانب اس کا کلام خود اُس کے قلم سے لکھا ہوا۔ صائب، کلیم، قدسی، سلیم وغیرہ کی تصویریں یقیناً اس تذکرہ میں ہونگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے بعض قدر دانوں نے بھی اس طرح کے باتصویر تذکرے مرتب کرائے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی تذکرے کے چند اوراق ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کو مل گئے ہیں جنھیں دیکھ کر مجھے تعجب انگیز مسرت ہوئی۔ اس تذکرے میں یہ التزام کیا گیا تھا کہ ورق کی ایک جانب شاعر کی تصویر درج کی جائے، اور دوسری جانب مختصر حالات اور کلام۔ یہ وہی طریقہ ہے جو ظفر خاں نے اختیار کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ شاعر کا کلام اس کے قلم سے لکھا ہوا نہیں ہے۔ صاحبِ تذکرہ کا انتخاب ہے۔

افسوس ہے کہ یہ تذکرہ کے متفرق اوراق ہیں۔ ابتدائی اور خاتمہ کے اوراق ضائع ہو گئے، اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ تذکرہ کا مصنف کون ہے، کس زمانے میں مرتب کیا گیا اور کتنے شاعروں کی تصویروں پر مشتمل تھا؟ اوراق جو ملے ہیں، دس ہیں، اور حسب ذیل شاعروں کی تصویریں ان میں درج ہیں:-

| | |
|---|---|
| ۱- فدوی لاہوری | ۶- پروانہ |
| ۲- مصحفی | ۷- تسلّی |
| ۳- حسرت | ۸- میر تقی میر |
| ۴- مرزا مظہر جانِ جاناں | ۹- مرزا قتیل |
| ۵- مضطر | ۱۰- ضیاء |

مضطر، پروانہ، اور تسلّی اُس عہد کے ہندو شعرا ہیں۔ ان کے حالات مصحفی کے تذکرہ میں بھی ملتے ہیں۔

اگر تذکرہ کے اِن اوراق میں اور کچھ نہ ہوتا۔ صرف میر تقی میر اور حضرت مرزا مظہر کی تصویریں ہوتیں، جب بھی انکی غیر معمولی قدر و قیمت کا ہمیں اعتراف کرنا پڑتا۔ کیونکہ اردو شاعری سے رسم و راہ رکھنے والا کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو میر صاحب اور مرزا صاحب کی زیارت کا خواہشمند نہ ہو۔

اسی بنا پر میں نے رام بابو صاحب سے کہا کہ وہ اِن اوراق کو پورے اہتمام کے ساتھ چھپوا کر شائع کر دیں تاکہ تمام اصحاب ذوق انکے مطالعہ سے خوش وقت ہو سکیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اب یہ اوراق چھپ کر آ گئے ہیں، اور تمام تصویریں جس طرح اصل میں تھیں، ٹھیک اسی طرح نقل میں بھی نمایاں ہو گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ عام طور پر مقبول ہوگا۔

# فہرست مثنویات

شبیہ حضرت میر

پہلی بار ۱۰۰۰

قیمت پندرہ روپے

جناب علی محمد طارق
نذرِ محبت
رام بابو سکسینہ
۱۵ اگست سنہ ۱۹۵۶ء

# مثنویاتِ میر بخطِ میر

## حضرت میرؔ کے دست خاص کی لکھی ہوئی چار مثنویاں

مع پیش لفظ

از

## حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

مرتبہ

## ڈاکٹر رام بابو سکسینہ (ڈی لِٹ اعزازی)

ممبر ساہتیہ اکاڈمی ہند


ناشر

دھومی مل دھرم داس چاوڑی بازار دہلی

# مثنویاتِ میر بخطِ میر

حضرت میر کے دست خاص کی لکھی ہوئی چار مثنویاں

مع پیش لفظ

از

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

مرتبہ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ (ڈی لٹ اعزازی)

ممبر ساہتیہ اکاڈمی ہند

ناشر

دھومی مل دھرم داس چاوڑی بازار دہلی